مطبوعات

ناشرین اور مصنفین جن کی کتابیں ہمارے ہاں آئی ہیں ان سے معذرت خواہ ہوں کہ ایک نہایت ہی ضروری چیز غیر ملکی پریس سے آئی ہوئی تھی اور اس کا معاملہ مہینوں سے چل رہا تھا۔ اس پر ریویو قدرے طویل ہونے کی وجہ سے اس بار بھی دوسری کتابوں کے لیے جگہ نہیں رہی۔ (ف۔ ص۔)

THE ISLAMIC REVOLATION IN IRAN

ناشر: دی مسلم انسٹی ٹیوٹ لندن

حالیہ ایرانی انقلاب کے متعلق یہ چار لیکچروں کا مجموعہ ہے ـــــ جو HAMID ALGAR نے دیئے اور ساتھ ہی سوالات و جواب بھی شامل ہیں۔ اس مجموعے کے مرتب ہمارے دوست جناب کلیم صدیقی صاحب (پاکستانی) ہیں۔

انقلاب ایران تاریخ رواں کا ایک اہم باب ہے اور پاکستان میں اسلامی ذہن کے لوگوں نے بڑی مسرت کے ساتھ اس کا خیر مقدم کیا تھا۔ کیونکہ عالم اسلام میں کام کرنے والی مختلف تحریکوں کے لیے یہ باعثِ تقویت محسوس ہوا۔ مگر ایران والوں کو، خصوصاً صاحب خطبات اور متعلقہ شرکائے بحث کو یہاں کے اچھے ردّ عمل کا علم نہیں ہو سکا۔ میرا خیال ہے کہ کلیم صدیقی بہ حیثیت ایک پاکستانی کے اس کمی کو جس حد تک پورا کر سکتے تھے، انہوں نے نہیں کیا۔ ملک سے باہر رہ کر شاید وہ خود بھی حالات سے پوری طرح آگاہ نہ رہے ہوں۔

انقلابِ ایران پر یہ لیکچر بہت سی معلومات فراہم کرتے ہیں۔ اور کوئی بھی شخص جو اس موضوع پر کوئی کام کی چیز لکھنا چاہیے اُسے کتابوں اور مضامین کی فہرست بناتے ہوئے اس مجموعۂ خطبات کو بھی سامنے

رکھ لینا چاہیے۔ صاحبِ خطاب کی اس مہارت کی داد دینی چاہیے کہ انہوں نے انقلابِ ایران کی فلاسفی کا بہت اچھا لباس تیار کیا ہے اور زبان بھی ایسی ہے کہ بعض معمولی باتیں بھی اسرارِ حکیمانہ معلوم ہوتی ہیں۔ اور شاید ہر انقلاب کو اس قسم کے لکھنے اور بولنے والوں کی ضرورت ہوتی ہے۔

انقلابِ ایران کو پیش کرتے ہوئے عالمِ اسلام کی دوسری اسلامی تحریکات کے متعلق، جنہیں برادر تحریکیں بھی کہا گیا ہے، اندازِ گفتگو شاندار نہیں ہے۔ اُن کا ذکر کچھ مسترد کرنے کے سے انداز میں کیا گیا ہے۔ دو تنظیمیں بالخصوص زد میں رہی ہیں۔ ایک اخوان المسلمین، دوسری جماعتِ اسلامی (کالعدم) ہو سکتا ہے کہ انقلاب کے مرحلہ اوّل کی کامیابی کے لمحۂ نشاط میں کوئی اور نگاہوں میں نہ جچے۔ لیکن اسی مجموعے میں چند ایسے نکات بیان کیے گئے ہیں کہ اگر توجہ اُن پر پوری طرح رہتی تو سوچنے کا انداز دوسرا ہوتا۔ دراصل یہ تحریکات مختلف قافلے ہیں جو مختلف حالات کی وادیوں سے اپنے اپنے طریق پر گذر رہے ہیں اور سب کے لیے حامی اور مخالف عوامل کچھ یکساں بھی ہیں اور کچھ ایک دوسرے سے بالکل الگ بھی ہیں۔ ہر ایک کو اپنا کام اپنے طور پر کرنا ہے۔ حالات کسی کو موقع دیں تو وہ دوسروں سے آگے نکل سکتا ہے۔ اور کسی کے لیے زیادہ رکاوٹیں پیدا کر یں تو تاخیر ہو سکتی ہے۔ ایک ہی منزل کے ان قافلوں کو جذبۂ یگانگت سے سوچنا چاہیے۔

جماعت اسلامی (کالعدم) کے متعلق ایک جگہ کہا گیا ہے کہ اسے جمہوری طریق کار پہ اصرار ہے۔ لیکن اس طریق کار سے وہ انقلاب کی تکمیل کو لازم نہیں سمجھتی تھی۔ انتخابات میں جانا، مقابلہ کرنا، سیٹیں حاصل کرنا یہ سب اثر اندازی کے لیے ہیں اور اثر اندازی کا عمل تو اس وقت بھی نتیجہ خیز ہوا جب کہ دستور ساز اسمبلی میں جماعت کا ایک بھی رکن نہ تھا۔ اور قرارداد مقاصد اس مطالبے کے مطابق پاس ہوئی جسے مئی ۱۹۴۸ء میں مولینا مودودی مغفور نے اُٹھایا تھا۔ سیٹوں کی گنتی کرنے والا ذہن دوسرا ہے۔ کچھ اور لوگ ووٹوں کی کل تعداد کی گنتی کرتے ہیں۔ مگر جماعت اسلامی (کالعدم) کے اہلِ شعور یہ تصور رکھتے تھے کہ ہر کارروائی اور سرگرمی اپنی دعوت اور اثرات کو پھیلانے اور اسلام کے نظریاتی مخالفین کا مقابلہ کرنے کے لیے ہے —— ہر میدان اور ہر دائرے میں اُس وقت تک کام ہوتے رہنا چاہیے جب تک کہ فطری طور پر انقلابی عمل واقع نہ ہو۔ خود ایرانی انقلاب کے سامنے بھی تو دو مراحل ہیں۔ ایک موجودہ دستوری ادارت کا دَور اور ایک بعد کا اصلی دَور

تحریک اسلامی پاکستان کے شعور کی نفی اس دعوے سے کی گئی ہے کہ مولانا مودودی مغفور سرسید کی مانند معذرت کیش (APPOLOGIST) تھے البس ذرا انداز نیا تھا۔

خیر یہ ایک جملہ معترضہ تھا۔ اس مجموعے میں بہت سے ایسے موضوعات جمع ہیں جن سے بحث پیدا ہوتی ہے۔ مثلاً تسلیم کیا گیا ہے کہ ایران پر شیعیت کے خلاف کبھی کوئی شعوری ردعمل پیدا نہیں ہوا۔ مثلاً امامت اور خلافت کی بحث اور ان کے مراتب کا فرق، علماء کا ایرانی معاشرے میں تاریخی پارٹ اور انقلاب پر اس کا اثر، ولایت فقیہ اور مقام مجتہد اور منصب آیت اللہ کے فروق، ایران کا نظام چلانے کے لیے ایک طرف سے طبقہ علماء اور دوسری طرف سے انتظامی مشینری کے ماہرین کی ضرورت۔ پھر ان دونوں قوتوں میں ذہنی بُعد اور اُس سے پیدا ہونے والی کشاکش، انقلاب کے پس منظر میں شاہ کی طرف سے جدیدیت اور سیکولرازم کے نفاذ کے لیے جبریت، اراضی کا اعلیٰ اور بڑا حصہ شاہی تصرف میں رکھ کر کاشت کاروں کو سرکاری مزارعت کی سطح پر رکھنا۔ طے شدہ دستور سے انحراف کر کے علماء کو اُن کے دستوری مرتبے سے محروم کرنا، صہیونیوں اور بہائیوں سے ساز باز اور ملک میں اُن کا نفوذ، ساوک کا تشددی نظام، فری میسنری کے پھیلے ہوئے جال، امریکی افسروں اور ماہرین کا قانون سے بالاتر قرار دیا جانا، وغیرہ بہت سے ایسے وجوہ تھے جنہوں نے شاہ کے خلاف آہستہ آہستہ ردّعمل پیدا کیا۔ اور یہ لاوا تاریخ کے تالاب میں جمع ہوتا رہا۔ ایران کی خوش قسمتی ہے کہ اس تالاب کا بند توڑ کر سیلابِ انقلاب لانے والے امام خمینی کے تھے، ورنہ دوسری طاقتیں بھی تاک میں بیٹھی تھیں۔ انقلاب اسی طرح انقلاب بنتا ہے کہ عوام کے اضطرابات اور بیزاریوں کا لاوا مناسب حد تک جمع ہو جانے پر کوئی ہاتھ اُسے سیلاب میں بدلتا ہے۔ یہ موقع امام خمینی کو ملا۔ یہ اچھا ہوا کہ کسی اسلام دشمن نظریے کے علمبردار اس سے فائدہ اُٹھانے کے قابل نہ ہوئے۔

ایرانی انقلاب کی نوعیت یہ نہیں کہ کچھ لوگوں نے ملکی اور مغربی اور سوشلسٹ نظاموں کے خلاف تنقید کر کے زندگی کے مطلوبہ اسلامی نظام کا پہلے سے عوام کو شعور دلایا ہو، پھر اُن کو منظم کر کے اُن کی تربیت کی ہو۔ (جیسے کہ ایک سائل نے بحث میں تربیت کے مسئلے کو بڑی اہمیت

سے اُٹھایا ہے) اور بھر بدلتے حالات سے لڑ کر آہستہ آہستہ آگے بڑھنے کا راستہ بنایا ہو، اور آخر میں کوئی بہتر موقع پیدا ہونے پر انقلاب واقع ہوا ہو۔ بخلاف اس کے مختلف مسلم خطوں میں ایمان وشعور کے ساتھ بعض شخصیتیں ایسی اُٹھیں جنھوں نے اپنی تنہا ذات سے کام شروع کر کے ہزاروں افراد کا انقلابی قافلہ تیار کر دیا، جن میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ دوسرا بڑا فرق یہ ہے کہ تقریباً تمام مسلم ممالک میں اور خصوصاً پاکستان میں علما کی کوئی ایک ٹیم یا صف نہیں ہے بلکہ کئی حلقے اور گروہ ہیں جن میں تعاون کم اور معرکہ زیادہ ہوتا رہا ہے۔ فرقہ وارانہ اختلافات کے جنگل میں سے راستہ بنانے والوں کے کام کی نوعیت اور ہے، اور جہاں نظریۂ امامت اور نظام مجتہدین کے تحت ایک شیعی قوم کے علما مجتمع چلے آرہے ہوں، وہاں معاملہ دوسرا ہے۔ دلچسپ یہ ہے کہ انقلاب کے بعد وہاں کے علما اور غیر علما میں بھی اور خود مختلف مجتہدین میں بھی اختلافات نمودار ہو رہے ہیں، جو ہمارے لیے دلی طور پر سخت تکلیف دہ ہیں۔

اس مجموعہ خطبات کی تیاری تو مہدی بازرگان کے دور میں ہوئی، لیکن اب جو حالات سامنے ہیں، وہ ہمیں بہت پریشان کرتے ہیں۔ قوم کے منتخب صدر بنی صدر کے خلاف علما میں ایک ہل چل موجود ہے۔ خود امام خمینی اور شریعت مداری میں اختلافات ہو چکے ہیں۔ اسی طرح طالقانی صاحب کے معاملہ میں بھی اُلجھنیں پیدا ہوئیں۔ دوسری طرف روس نواز اشتراکی گروپ بھی متحرک ہے۔ عوام کے معاشی مسائل ابھی حل طلب ہیں۔ اُوپر سے ایک لامتناہی جنگ کا سامنا ہے۔ ادھر مسلمان ممالک (خصوصاً عربوں) سے انقلابی ایران کے تعلقات صحت مندانہ نہیں ہیں۔ شروع میں انقلاب کو ایکسپورٹ کرنے اور مسلم ممالک کے عوام کو حکومتوں کے خلاف اُکسانے کی جو بات ایک مرتبہ واشگاف طور پر ہوگئی تھی۔ اس کے اثرات برقرار ہیں۔ حالانکہ ایک کامیاب انقلاب از خود دوسرے ملکوں کے عوام کو بھی سوچنے کی نئی راہیں سُجھاتا ہے۔ ضروری نہیں ہوتا کہ قائدینِ انقلاب دوسرے ملکوں کو اپنی زبان سے پکاریں۔ انقلابی سیاست کا ایک اہم اصول یہ ہے کہ انقلابی عمل چونکہ جنگی عمل کے مشابہ ہوتا ہے لہٰذا کوشش یہ ہونی چاہیے کہ ضرب ہدف کسی ایک طرف مرکز کیا جائے اور بقیہ اطراف سے اگر دوستانہ ربط ممکن نہ ہو تو کم سے کم کسی طرح کی مخالفانہ اکساہٹ پیدا نہیں کرنی چاہیے۔ اسی اصول کو نظر انداز کرنے کی وجہ سے

ایران کے اکابر کو یہ تلخ حقیقت محسوس کرنی پڑی کہ ہم اکیلے رہ گئے ہیں۔

اِس مجموعے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ مسلم ممالک اور اسلامی تحریکوں نے ایرانی انقلاب کو تائید بہم نہیں پہنچائی۔ یہ صریحاً غلط ہے۔ دُنیا کے مختلف ممالک سے اسلامی ذہن کے لوگ ایک سے زیادہ بار مجتمعاً اور منفرداً ایران پہنچے اور اپنی طرف سے اچھے زوردار جذبات کا اظہار کیا۔ ان میں اخوان کے بااثر حضرات بھی تھے اور کالعدم جماعت اسلامی کے بھی۔ حتیٰ کہ اس جماعت کے تو امیر میاں طفیل محمد بہ نفسِ نفیس حاضری دینے گئے۔ تائید کی، خوشی ظاہر کی اور اپنی طرف سے پیش کش کی کہ جس طرح کی مدد ہم سے درکار ہو، ہم حاضر ہیں۔ یہاں لاہور میں بھی جو حضرات اولاً مولٰینا سید ابوالاعلیٰ مودودی مغفور کی زندگی میں اُن سے ملے اور بعد ازاں جتنے اصحاب منصورہ میں گئے سب کا برادرانہ جذبات سے خیر مقدم کرنے کے علاوہ تائیدی روح کا مظاہرہ کیا گیا۔

مگر اس ستم ظریفی کا کیا علاج کہ عالمِ اسلام سے جانے والے لیڈروں کو عظیم مجموں اور شاندار تقریبوں کا تماشا تو دکھایا گیا، مگر اُن کے ساتھ بیٹھ کر نہ کسی نے اپنی مشکلات کا ذکر کیا، نہ کسی اہم مسئلے میں مشورہ لیا۔ آخر یک طرفہ ٹریفک پر اصرار کیوں؟

اس مجموعے میں شیعہ سنّی اتحاد پر بھی خاصی باتیں درج ہیں مگر اپنے دوست کلیم صدیقی صاحب سے مَیں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جب آپ ذرا ذرا سے اختلافات پر اپنے قریبی لوگوں کے ساتھ نہیں چل سکتے تو بڑے پیمانے پر ملّت کے اتحاد کے تذکروں سے کیا حاصل!

باتیں اس مجموعے میں بہت سی ہیں اور ہر بات بحث طلب ہے، مگر اپنے پاس وقت اور صفحات دونوں محدود ہیں۔ لہٰذا یہ ایک مجمل اور سرسری تبصرہ ہے۔ بدقسمتی سے مَیں نشان زدہ عبارتوں کے حوالے (صفحات نمبر) درج نہیں کرسکا۔

آخر میں یہ کہوں گا کہ یہ مجموعہ اور ایک دوسری کتاب جو مجھ تک پہنچی ہے۔ انہیں لانے والا ادارہ اگر کسی انتظامِ خاص سے چل رہا ہے تو کوئی انہونی بات نہیں۔

لیکن اگر اسے محض چند افراد اپنے ذاتی مالیات اور احباب کے تعاون سے چلا رہے ہیں تو ایسے اصحاب کی قربانی قابلِ قدر ہے۔ مگر قابلِ قدر کے ساتھ جب مَیں امام خمینی کی سادہ زندگی

اور معاشرت کے متعلق پڑھی ہوئی عبارت کو ذہن میں لاتا ہوں (اور اس کے ساتھ متقابلاً بعض دوسرے اشخاص کے متعلق چبھتے ریمارکس) تو مجھے خیال ہوتا ہے کہ اس شاندار پیرائے میں چھپا ہوا لٹریچر امام خمینی کے کسی محب کی طرف سے آئے تو مقام تعجب ہے اور اگر کسی دلیل سے اس کی استثنائی ضرورت ظاہر کی جائے تو پھر میں کہوں گا کہ دوسروں کے ہاں بھی استثنائی ضرورت پائی جا سکتی ہے۔

بہر حال میں یہ ضرور کہوں گا کہ ایران اور شیعیت، ایرانی انقلاب اور امام خمینی کے متعلق جو بھی اصحاب کچھ جاننا چاہتے ہوں وہ دوسری کتابوں اور مثالوں کے ساتھ ساتھ اس مجموعے کو بھی پڑھیں۔

اطلاع عام

جناب جہانزیب احمد صدیقی ولد مسنجاب احمد صدیقی سابق ملازم ماہنامہ ترجمان القرآن ۵۔اے ذیلدار پارک اچھرہ کو مورخہ ۱۵ ر فروری ۱۹۸۱ء سے ادارہ سے سبکدوش کر دیا گیا ہے۔ ان سے ادارہ کی طرف سے کسی قسم کے لین دین کی ذمہ داری ادارہ قبول نہیں کرے گا۔ اگر کسی نے ۱۵ ر فروری ۱۹۸۱ء کے بعد ان سے ادارہ کی طرف سے لین دین کیا ہو تو ادارہ کو فوراً مطلع کریں۔

سید حسین فاروق مودودی